علامہ احسان الٰہی ظہیر

جناب حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی

علامہ احسان الٰہی ظہیر اور ان کے رفقاء اہل حدیث کی شہادت ایک ایسا درد انگیز اور المناک واقعہ ہے جس کی مثال برصغیر کی تاریخ میں اس سے قبل ناپید ہے۔ یہ پوری جماعت اہل حدیث کی قیادت کو ختم کرنے کی ایک سوچی سمجھی اور منظم سازش تھی دراصل علامہ احسان الٰہی ظہیر کی عبقری موثر اور جاندار شخصیت نے جماعتی تنظیم کو ایسا جاندار اور موثر بنا دیا کہ باطل قوتیں حیران اور لرزہ براندام تھیں علامہ مرحوم نہ صرف ایک عالم دین تھے جیسا کہ ایک عالم کی موت پر کہا جاتا ہے موت العالم موت العالم بلکہ وہ بیک وقت عظیم سکالر محقق، بالغ نظر سیاست دان، داعی تحریک اور مملکت خطابت کے بلاشرکت غیرے حکمراں تھے قدیم و جدید علوم پر یکساں نظر رکھتے تھے۔ تحریر و تقریر پر پوری طرح قادر تھے فصاحت و بلاغت سے لبریز ٹھوس علمی و عقلی دلائل سے بھرپور ہونے کے ساتھ ساتھ جاندار اور موثر تھی کہ عوام اور خواص یکساں مستفید ہوتے لاہور میں اہم قومی نوعیت کا جلسہ بھی ان کی شرکت کے بغیر کامیاب نہ ہوتا الغرض علمی، سیاسی اور دینی دونیا میں انہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کا لوہا منوا لیا تھا نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرون ملک احترام و عقیدت کی نگاہ سے دیکھے جاتے عالم عرب کو تو انہوں نے اپنی تقاریر و تصانیف سے ایک نئی سوچ اور نیا رنگ دیا تھا جس سے ان کے مخالفین گھبرا گئے اور انہیں "خطرناک شخصیت" قرار دیا جانے لگا حقیقت تو یہ ہے کہ مصلحت سے بے نیاز انہوں نے جس طرح کلمہ حق بلند کیا آج کے دور میں وہ انہی کا حصہ ہے اور ایک ایسا عطیۂ خداوندی ہے جس پر بجا طور پر فخر کیا جا سکتا ہے ۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

میں سمجھتا ہوں کہ علامہ مرحوم اور ان کے رفقاء کو انہی مصلحت سے بے نیاز تقاریر و تصانیف اور آوازۂ حق کو بلند کرنے کے جرم میں یہ ناپاک کارروائی کی گئی کیونکہ دلائل و براہین سے جواب ناممکن ہو گیا تھا اور جب کوئی دلائل کی جنگ ہار جائے تو پھر وہ تشدد پر اتر آتا ہے۔

میرا علامہ مرحوم سے ذاتی علاقہ ان دنوں سے ہے جب وہ گوجرانوالہ درسِ حدیث کے طالب علم تھے اور میں گوجرانوالہ جماعت اسلامی کے شفاخانوں میں بحیثیت انچارج طبیب کام کرتا تھا وہ تقریباً ہر روز بلا ناغہ بعد نماز عصر محلہ نور باوا گلی نمبر ۵ میں میرے پاس تشریف لاتے علامہ مرحوم ان دنوں سترہ اٹھارہ سال کے نوجوان تھے۔ البتہ ان کی غیر معمولی صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا تھا۔ ان کی یہ غیر نصابی سرگرمیاں بھی علمی و دینی اور ادبی موضوعات سے متعلقہ تھیں۔ مسلک اہل حدیث کی تاریخ ان کا خاص موضوع تھا۔ جب وہ مسلک اہل حدیث کے موضوع کے حوالے سے گفتگو کرتے تو مجھے ان کی سوچ کا اندازہ ہوتا وہ اس بات پر کبیدہ خاطر ہوتے کہ اہل حدیث سلفی العقائد ہونے کے باوجود آج اپنی انفرادیت و تشخص کو گم کر بیٹھے ہیں اور کوئی ان کا پرسانِ حال نہیں دوسری تنظیموں میں شامل ہو کر ان کے مقاصد کی تقویت کا سبب بن رہے ہیں اور انفرادی رول باقی نہیں رہا وہ جماعت کے تشخص کو بحال کرنے کے حق میں تھے الغرض روز محفل ہوتی اس حوالے سے متبادل خیال رہتا مجھے اندازہ ہوتا کہ یہ نوجوان اپنی غیر معمولی صلاحیتوں سے یقیناً ایک روز اس خلا کو پُر کرے گا۔ انہی دنوں ایک ہفتہ وار علمی و ادبی نشست ڈاکٹر اسحاق جاوید کی رہائش گاہ پر منعقد ہوتی جو بعد میں ماڈل ہائی سکول گوجرانوالہ منتقل ہو گئی ماڈل سکول کی اس نشست میں علامہ مرحوم میرے ساتھ جانا شروع ہوئے اس نشست میں اس وقت کے مقامی نامور شعراء اور ادباء سبط الحسن ضیغم، ڈاکٹر رفیق چودھری، بشیر انصاری، راز کاشمیری، پروفیسر اسرار احمد، میاں ایم آئی شمیم، علامہ یعقوب انور اور ارشد مہر ایسے لوگ ہوتے۔ اگرچہ علامہ ابھی نوجوان تھے تاہم اپنی سوجھ بوجھ اور وسعتِ مطالعہ کی بناء پر جلد ہی اپنا مقام بنا لیا ان کی ٹھوس تنقید و دلائل پر حاضرین پوری توجہ دیتے اس طرح اپنی انفرادیت کو جلد منوا لیا کچھ عرصہ بعد یہ فیصل آباد چلے گئے جہاں سے مدینہ یونیورسٹی حصولِ علم کے لیے چلے گئے جہاں انہوں نے اپنی خصوصی صلاحیتوں کی بنا پر مقام حاصل کر لیا

اساتذہ ان سے خصوصی محبت کا اظہار کرتے اس بین الاقوامی درس گاہ سے امتیازی حیثیت سے فارغ ہوئے انہوں نے بتایا کہ ایک کتاب جو اس دوران مرتب کی اور شائع کرنے کا ارادہ کیا اگرچہ ابھی فراغت تعلیم میں کچھ عرصہ باقی تھا اساتذہ نے فارغ التحصیل مدینہ یونیورسٹی لکھنے کی اجازت دے دی جب مدینہ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہو کر واپس آئے تو پروفیسر عبدالحمید صدیقی کی معیت میں لاہور ملاقات ہوئی وہی خلوص و محبت عجز و انکساری موجود تھی جو پہلے تھا یہ نشست گھنٹوں رہی اپنے مستقبل کے عزائم بتاتے رہے اور کہا کہ اب میں خطابت تصنیف و تالیف کے میدانوں میں مسلک اہل حدیث کی خدمت کے لیے زندگی وقف کر دوں گا یہی میرا نصب العین ہے ساتھ ہی کہنے لگے چند دنوں تک تفصیلی ملاقات اور آئندہ لائحہ عمل کے لیے سوہدرہ (میرا آبائی گاؤں) حاضر ہوں گا۔ چنانچہ حسب وعدہ چند دنوں بعد ڈاکٹر یوسف گورایہ کی معیت میں سوہدرہ پہنچے فرمایا کہ میں نے سوچا حاضری بھی ہو جائے گی اور ساتھ گورایہ صاحب کو آپ سے متعارف کرا لوں گا یہ بھی سلفی العقیدہ ہیں رات دیر تک نشست رہی علامہ اپنے عزائم کے حوالے سے تبادلہ خیال کرتے رہے ہمارا مشورہ تھا کہ آپ کو لاہور مرکزی مقام پر زندگی کا آغاز کرنا چاہیے جس کو انہوں نے قبول کیا مسلک اہل حدیث کی ترقی و سربلندی کے لیے منصوبہ بندی ہوئی ذاتی مسائل بھی زیر بحث آئے ان میں وہی جذبہ اخلاق اور عجز۔ انکساری موجود تھا رات میرے ہاں قیام کیا اگلی صبح واپس ہوئے اس کے بعد گاہے بگاہے ملاقات رہی پھر میں نے اپنے گاؤں میں ایک تبلیغی جلسہ کا اہتمام کیا علامہ صاحب کو اطلاع کی انہوں نے بغیر کسی تردد کے حاضری کا وعدہ کر لیا میں نے قاضی مقبول احمد صاحب جو میرے دیرینہ کرم فرما ہیں اور علامہ صاحب کے بھی دوستوں میں سے ہیں کی ڈیوٹی لگائی کہ علامہ صاحب کو ساتھ لے کر آنا ہے۔ چنانچہ تشریف لائے جلسہ سے خطاب کیا بعد میں ہم تینوں رات گئے جماعتی امور کے بارے میں تبادلہ خیال کرتے رہے۔ اب علامہ صاحب عملی زندگی میں قدم رکھ چکے تھے اور جماعت کی تنظیم کے لیے ایک وسیع منصوبہ ان کے پیش نظر تھا جس کے بارے میں غور و فکر ہوا۔ اس کے بعد پھر ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں جب اسلام اور سوشلزم کی لفظی جنگ زوروں پر تھی ایک جلسہ کا اہتمام کیا اس میں علامہ صاحب تشریف لائے دو گھنٹے تک طویل خطاب کیا اب ان کے جوہر پوری طرح کھل چکے تھے خطابت میں اپنا مقام بنا چکے

تھے اور اپنی حیثیت کے ساتھ ساتھ سیاسی میدان میں بھی پیش رفت کر چکے تھے گویا ان کی جدوجہد کا نقطہ آغاز ہو چکا تھا پھر دینی وسیاسی میدان میں مصروفیات بڑھتی گئیں اور انہوں نے اپنے ارادوں کی تکمیل کے لیے کام شروع کر دیا تھا اس کے بعد ان سے گاہے بگاہے مختلف تقاریب میں ملاقات رہی ہمیشہ بڑے اخلاص سے پیش آتے اور اپنے منصوبوں کے بارے میں مشورے چاہتے - علامہ صاحب چینیانوالی مسجد لاہور میں خطیب تھے میرے چھوٹے بھائی صوفی ملک محمد ظفر مسجد سے ملحقہ کسیرا بازار میں کاروبار کرتے ہیں کے ذریعے سلسلہ خیریت و عافیت آخر تک جاری رہا - جمعیت اہل حدیث کے موجودہ ڈھانچے کی تنظیم کے لیے جب گوجرانوالہ میں پہلی مجلس مشاورت ہوئی تو مجھے بھی بلایا گیا حاضر ہوا وہاں راقم نے بھی اپنا نقطہ نظر پیش کیا جسے حاضرین کی اکثریت نے پسند کیا اس موقع پر مولانا محمد عبداللہ صاحب امیر اور مولانا محمد حسین شیخوپوری ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے اگرچہ راقم نے اس تنظیم میں شمولیت اختیار نہ کی کیونکہ میرا نقطہ نظر یہ تھا کہ اہل حدیث کی صرف ایک منظم و فعال تنظیم ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس طرح انتشار کا دروازہ کھل جائے گا اور ہم اپنے نصب العین سے دور ہو جائیں گے - علامہ صاحب بھی میرے خیالات سے آگاہ ہوئے لیکن انہوں نے مجھے کہا کہ اب وقت آگیا ہے کہ فعال ہو کر کام کیا جائے کیونکہ ان (دوسرے گروپ) کی وجہ سے مسلک کو کافی نقصان پہنچ چکا ہے اور تنظیم نیم مردہ ہو چکی ہے تبلیغ کا میدان سست ہو چکا ہے، سیاست میں انفرادیت نہیں ہے ہم انشاء اللہ تنظیم کی نشاۃ ثانیہ کرکے اسے حضرت سید داؤد غزنوی رحمہ اللہ کے عہد کی طرح فعال بنا کر اپنا تشخص بحال کریں گے - اگرچہ مولانا محمد حسین شیخوپوری کچھ عرصہ بعد الگ ہو گئے مگر علامہ مرحوم نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں اور دیرینہ عزائم کی تکمیل کے لیے خود کو مکمل جماعت کے لیے وقف کر دیا ایک طرف نوجوان اہل حدیثوں کو اہل حدیث یوتھ فورس کے پلیٹ فارم پر منظم کیا دوسری طرف جمعیت اہل حدیث کو منظم کیا - تصنیف و تالیف کا محاذ سرگرم عمل کیا بڑے بڑے شہروں میں جلسے کرکے زائے عامہ کو منظم کیا اور ملکی سیاسی سطح پر اپنی پہچان کرائی تشخص بحال کیا - قومی پریس سنجیدہ حلقوں میں جمعیت کو مقام دلایا لارنس روڈ پر ایک وسیع قطعہ اراضی حاصل کرکے اب مرکز اہل حدیث کی تعمیر کے لیے کوشاں تھے اور ۲۳ مارچ کے بعد آنے والے جمعہ ۲۷ مارچ کو نماز جمعہ اس مرکز میں پڑھانے کا اعلان کر چکے تھے جس کا انہیں موقع ملا ان کا ارادہ تھا کہ اس مرکز کو اہل حدیثوں کا صحیح مرکز بنا دیا جائے اور اس مسلک سے وابستگان کو

پنے مرکز کی حیثیت کا احساس دلائیں کیونکہ ؎

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

انہیں اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ اہل حدیث کو بعض جماعتیں خام مال کے طور پر استعمال کرتی ہیں اس لیے وہ اہل حدیث لوگوں کو اپنی انفرادیت کا احساس دلانے کے لیے کوشاں تھے کہ عین اس وقت موت کے بے رحم ہاتھوں نے اور تشدد کے سوداگروں نے انہیں ہم سے چھین لیا۔ گو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری یہ قربانی رائیگاں نہیں جائے گی سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے قربانی دی تو پاکستان کی صورت میں انعام ملا اب بھی ہم نے قیمتی بڑی قربانیاں بارگاہِ الٰہی میں پیش کی ہے اس کا اجر بھی اتنا ہی عظیم ہوگا۔ ان کی تصانیف کا موضوع فرق تھا یعنی مختلف مذاہب اور عقائد یہ ایک اہم ضرورت تھی جس کا کسی نے احساس نہ کیا نسلِ نو اور عالم عرب کو مختلف عقائد کی حقیقت سے آگاہ کرنے کی یہ ایک اعلیٰ خدمت تھی چنانچہ ان کی کتب مدینہ یونیورسٹی میں شاملِ نصاب تھیں اور اس طرح عالم عرب کو مختلف عقائد کے بارے میں صحیح صورت حال سے آگاہی ہوئی۔ ان کتب کے تراجم فارسی وانگریزی انڈونیشی، سواحلی اور اردو میں ہو چکے تھے اور مختلف مذاہب کا تقابلی جائزہ سامنے آگیا۔ مسلک اہل حدیث پر بھی ان کی ایک تصنیف مکمل ہو چکی تھی جس سے تعصب اور جہالت کے پردے چاک ہو جاتے افسوس ان کی حیات میں شائع نہ ہو سکی۔ شریعت بل کے مسئلے پر ان کی تقریر حسن مسنون و کمال توجہ سے سنی جاتی باوجود بعض مقامات پر اختلاف رائے کے اپنے نقطۂ نظر کو کمال خوبصورتی سے پیش کرتے ہیں ان کو کمال حاصل تھا قدرت نے جس قدر عظیم قربانی لی ہے اس کا اجر یقیناً اتنا ہی عظیم ہوگا جس سے جماعت کا مستقبل روشن ہے تاہم علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ کا خلا برسوں پر ہوتا نظر نہیں آتا بہر حال اس سے انکار محال ہے کہ مختصر سی زندگی میں انہوں نے جو روح حرکت و عمل پیدا کی بعض امور میں اختلاف کے باوجود کسی کے بس کا روگ نہیں واقعی ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست

خاک طیبہ نے جس طرح آغوشِ محبت میں لے لیا اس سے ان کی خوش بختی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اب پوری جماعت اہل حدیث کے اکابرین کے تدبر کا امتحان ہے کمال فہم و فراست سے منظم ہونا اور ایسی جامع ٹھوس پالیسی مرتب کرنا ہے کہ اس پر مسلک اہل حدیث کے مستقبل کا دارومدار ہے۔

اب کافی عرصہ سے مرحوم سے ملاقات نہ ہوسکی البتہ احباب کے ذریعے حال احوال خیریت و بخیریت معلوم ہوتی رہتی آخری ملاقات لاہور کے ایک جلسے پر ہوئی پہلے سے بڑھ کر خلوص کا مظاہرہ کیا ہر مرتبہ پہلے سے بڑے انسان نظر آئے اب کافی عرصہ سے ملاقات نہ ہوسکنے کے باوجود ملاقات کی آس تھی اور یہ تو وہم و گمان یا اندیشہ بھی نہ تھا کہ ان کا وقت آخر قریب ہے مگر اس جہان بے اعتبار میں اکثر وہی ہوتا ہے جس کا گمان بھی نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند کرے (آمین)

جب حادثے کی خبر سنی طبیعت بے چین ہوئی لیکن اخباری اطلاعات حوصلہ افزا تھیں ۲۹ مارچ کو لاہور جانے کا ارادہ کیا تیمارداری کے لیے ہسپتال گیا تو معلوم ہوا۔ کہ انہیں مدینہ منورہ لے جایا گیا تو طبیعت کو انجانا خوف سا لگا اگلے ہی روز ان کے انتقال کی خبر نے اوسان خطا کر دیئے مگر موت کے سامنے کس کو بس کاری ہے۔

افسوس صد افسوس مسلمانوں کے اس دور قحط الرجال میں ایک ایسی متبحر ہمہ گیر جامع کمالات یگانہ روزگار مخیر اور بوقلموں شخصیت سے ہمارا اس طرح محروم ہو جانا ایک قومی حادثہ ہے جس کی طولانی تلافی ایک عرصہ دراز تک نظر نہیں آتی مگر قدرت نے جتنی بڑی قربانی لی ہے اس کا اجر بھی اتنا ہی بڑا ہوگا اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ان کے کردار کو اپنی زندگی کے ہر قدم پر سامنے رکھیں ان کی خوبیوں کو اپنے اندر جذب کر لیں یعنی اپنی تاریکیوں کو اس کی روشنی سے منور کریں۔

بقیہ: پرچم کون اٹھائے گا

صداقت ہیں اور رہ اسلام کلمہ حق کی خاطر اپنی جان کی قربانی دینے سے دریغ نہ کریں۔ ہمارے افکار، خیالات اور نظریات کچھ رنت کے بعد مردہ ہو جاتے ہیں جب اپنے خون سے ان کی آبیاری کی جائے تو ان میں روح پڑ جاتی ہیں اور لوگوں میں زندہ جاوید نظر آتے ہیں۔

علامہ مرحوم نے بھی اپنی جان کی قربانی دے کر اپنے افکار اور نظریات کو زندہ جاوید بنا دیا اور قیامت تک لوگ ان کے اذکار کا تذکرہ کرتے رہیں گے اور ان سے مستفید ہوتے رہیں گے۔